اسلم کمال

ڈاکٹر شمل کی لوحِ مزار

لاہور کا یہ عظیم، قدیم اور جدید ریلوے سٹیشن ہے۔ جہاں سے روانہ ہونے کے لیے ایک جدید ریل ''کراچی ایکسپریس'' تیار کھڑی ہے۔ چار سلیپرز پر مشتمل ایک پورا کوپے اقبال اکادمی پاکستان کے لیے کراچی تک ریزروڈ ہے۔

محقق محمد اکرام چغتائی پورے اطمینان سے اپنی برتھ پر بیٹھا اپنی کتاب ''اقبال اور گوئٹے'' کی ورق گردانی میں محو ہے اور کبھی کبھی آنکھ اٹھا کر ماحول کا جائزہ لے لیتا ہے۔

محقق کے بالمقابل برتھ پر محمد سہیل عمر اقبال اکادمی پاکستان کا جواں سال ناظم ہونے کے علاوہ فکرِ اقبال کا جدید ناقد بھی ہے۔ وہ یہاں بھی دفتری فائلیں ایک ایک کر کے نمٹانے میں منہمک ہے۔ اس کے قریب پڑے اس کے ادھ کھلے بریف کیس میں سے ''خطباتِ اقبال جدید تناظر میں'' جھانک رہی ہے۔

تیسری برتھ پر مصوّرِ اقبال اسلم کمال ہے۔ اس کے تکیے پر کلامِ اقبال کی مصوّری کا مرقع ''کسبِ کمال'' پڑا ہے۔ گاڑی چل پڑی ہے اور وہ سامنے کی کھڑکی کے شیشے سے آہستہ آہستہ رفتار تیز کرتا باہر کا منظر دیکھ رہا ہے۔ لاہور چھاؤنی کے بعد والٹن ٹریننگ سکول اور اس کے بعد کوٹ لکھ پت کے سٹیشن گزر گئے ہیں۔

''جس طرح رھائین دریا مغربی یورپ بالخصوص جرمنی میں لہراتا گنگناتا ایک من موجی کی طرح آزادانہ بہتا ہے، گوئٹے کی شاعری اسی طرح وقت کی قید سے آزاد اپنا وہ رس گھولتی چلی آ رہی ہے جو رھائین ویلی کی وھائٹ وائن جیسا سرور رکھتی ہے''۔ اکرام چغتائی نے کہا۔

''۱۹۸۶ء میں جب میں پہلی بار جرمنی گیا اور بون کلچر سینٹر میں ''خدا، انسان اور شاعر'' کے عنوان سے میری مصوّری کی نمائش کا انعقاد ہوا۔ ڈاکٹر شمل نے خود آگے بڑھ کر میری خطاطی، مصوّری اور ڈرائنگز پر اتنا مبسوط اور مربوط لیکچر دیا کہ سفیرِ پاکستان نے بطور خاص ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اسلم کمال کے فنِ مصوّری کا افتتاح میرے لیے ایک اعزاز تھا۔ لیکن اب ڈاکٹر صاحبہ کے فاضلانہ اظہارِ خیال کے بعد یہ افتتاح میرے لیے ایک تاریخی خوش قسمتی بن گیا ہے''۔ مصوّر نے یہ واقعہ بیان کیا۔

''جس طرح پہلے زمانوں میں ایک دھوپ گھڑی ہوا کرتی تھی۔ ڈاکٹر این ماری شمل کے اندر ایک شعور گھڑی اپنے نصب ہونے کا ثبوت یوں فراہم کرتی ہے کہ ان سے صرف یہ کہنا کافی ہے کہ اظہارِ خیال آدھ گھنٹہ پونا گھنٹہ یا پورا گھنٹہ کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ مائیک پر آ کر آنکھیں بند کر لیتی ہیں اور لب کشا ہوتی

ہیں۔ رھائین دریا کے آس پاس پائے جانے والے رھائین سٹون سے تراشیدہ ہیروں جیسے الفاظ محدود وقت کی آخری ساعت پر ہونٹوں سے ادا ہوتے ہوتے خود بخود ٹھہر جاتے ہیں۔ ڈاکٹر آنکھیں کھول دیتی ہیں۔ گھڑی کی ٹک ٹک اوران کے ہونٹوں پر الف بے کا آپس میں کوئی ربطِ نہانی ضرور ہے۔ یہی تعلقِ خاطر ڈاکٹر صاحبہ کی کمزور سیدھی انگلیوں اوران کے ٹائپ رائیٹر کی کنجیوں میں بھی دیدنی ہوتا ہے''۔ ناقد نے اپنا مشاہدہ بتایا۔

پاکستان ریلوے کی ریفرشمنٹ کار کا بیرا کوپے میں داخل ہوا۔ ''یہ چار کپ چائے اور سنیکس آپ چار مہمانوں کے لیے پاکستان ریلوے کی جانب سے'' یہ کہہ کر ٹرے رکھی اور چلا گیا۔

''شہر وی آنا کے اندر سے ڈینیوب دریا بہتا ہے۔ اس کی ایک مصنوعی شاخ سے وی آنا شہر کو بائی پاس کر کے پھر ڈینیوب کے اصلی دھارے سے ملا دیا گیا ہے۔ درمیان میں بہت دیدنی مناظر پیدا کئے گئے ہیں۔ اُن کی خوبصورتی کا ذکر میں نے ڈاکٹر شمل سے کیا تو آپ نے فرمایا۔ علامہ اقبال کی شاعری میں ڈینیوب کا بار بار ذکر روانیٔ حیات کی علامت کے طور پر ملتا ہے''۔ محقق اکرام چغتائی نے کہا۔

میں جب دوسری بار بون گیا تو جس علاقے میں رہائش ملی، اس کا نام جگہ جگہ "Bad Godes Burg" لکھا ہو دیکھ کر میں شرارت سے ڈاکٹر شمل کے سامنے اس کو بیڈ گاڈس برگ پڑھتا تھا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے میری تصحیح کرتے ہوئے بیڈ کو باڈ، گاڈس کو گوڈز اور برگ کے صحیح تلفظ کے لیے لاہور کے گلبرگ کا حوالہ دیا۔ یہ ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ اسلام اور پاکستان جیسے موضوعات کے لیے علامہ اقبال کی ذات اور فکر ایک مستقل تناظر کے طور پر ڈاکٹر شمل کے شعور کا حصہ ہیں'' مصوّر نے کہا۔

ریل اپنی رفتار بتدریج کم کرتی ہوئی خانیوال ریلوے سٹیشن پر ٹھہر گئی۔ سہیل عمر پلیٹ فارم پر اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کوپے میں آیا تو ہانپ رہا تھا۔ اس کے پاس آئس کریم کے چار کپ تھے۔ اُس نے سب کو ایک ایک کپ پیش کیا۔ گاڑی چل پڑی۔ شہر کی روشنیوں سے نکل کر دیہات کے اندھیروں میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف عالمِ تصوّر میں گزرے ہوئے وقت کے واقعات، کردار، حالات، ادوار اور زمانے بھاگتے ہانپتے، گرتے سنبھلتے اور بنتے بگڑتے ہیں۔ یہ کوپے جس میں چار سوار ہیں، جس ریل کا ہے وہ وقت کے دائمی دھارے میں گزرتی ہوئی صدیوں میں سے ایک کے آغاز میں رواں رات کے دورانیے میں پوری رفتار سے بھاگ رہی ہے۔

ناظم ''اقبال اکادمی'' نے بیل بجا کر بیرے کو بلایا اور بستر لگانے کو کہا۔ ''ابھی آیا'' کہہ کر وہ گیا اور جلد لوٹ آیا۔ چار تکیے اور چار کمبل لے کر اور چار بستر لگا کر چلا گیا۔ مصوّر، محقق اور نقاد نے اپنے اپنے بستر پر اپنے اپنے کمبل اپنے شانوں تک کھینچے اور چوتھے بستر کی طرف متوجہ ہو کر ایک ساتھ ہمہ تن گوش ہوئے تو اُس نے کہا:

ایک تھی بستی۔

ایک دن کا پچھلا پہر تھا۔ عصر کا وقت تھا۔

اچانک ایک نامعلوم اجنبیت کی گھٹن اس بستی میں یوں در آئی کہ اس بستی کے مکینوں پر اس کے گھر تنگ ہونے لگے۔ وہ گھبرا کر پیش و پس سے بے خبر گھروں سے نکل کر باہر کھلے میدان میں چلے آئے۔ وہ سب ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے لیکن جواب کوئی بھی نہیں دیتا تھا۔ جواب کی طلب میں بالآخر وہ کسی کا راستہ دیکھنے لگے۔ پھر وہ انہیں آتا دکھائی دیا۔ جوں جوں وہ ان کے قریب آتا گیا، اہلِ بستی کے بجھے بجھے چہروں پر چمک آتی چلی گئی۔

اہلِ بستی میں سے پہلے شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''اے بزرگوار! تیری آمد کا انداز مجھے اپنے دادا جیسا لگتا ہے''

اہلِ بستی میں سے دوسرے فرد نے بڑھ کر کہا۔ ''بزرگوارم! جس طرح تو نے اپنے سر پر پگڑی باندھ رکھی ہے؛ بالکل اسی انداز میں میرا نانا پگڑی باندھتا تھا''۔

بستی والوں میں سے تیسرا شخص آگے بڑھا اور گویا ہوا۔ ''اے بزرگوارم! آپ کی روشن پیشانی میرے ماموں کی پیشانی کی طرح کشادہ ہے۔ بستی کے چوتھے فرد نے کہا۔ بزرگ محترم! آپ کی آنکھیں ناک اور ٹھوڑی بالکل میرے تایا جیسی ہے۔ پانچواں فرد بستی کا آگے بڑھ کر یوں بولا۔ مکرّم و محترم! آپ کا چہرہ ہو بہو میرے والد جیسا ہے۔ آپ کی مونچھیں ان کی مونچھوں جیسی گھنی اور سفید ہیں۔

بسی کا چھٹا فرد تعظیم بجا لایا اور یوں گویا ہوا۔ ''اے قابل احترام! آپ کی شکل و شباہت بالکل میرے استادِ محترم جیسی ہے''۔

ساتواں شخص بستی کا آگے بڑھ کر یوں بولا۔ ''مکرّم و محترم! آپ کے چہرے پر تبسم جامع مسجد کے مرحوم امام صاحب کے چہرے جیسا ہے''۔

آٹھواں فرد اس بستی کا اس طرح مخاطب ہوا: ''قبلہ بزرگوارم' آپ کے لباس کا اجلا پن میرے مرشد مرحوم کے پیرہن جیسا ہے''۔

بستی کا نواں مرد فرطِ عقیدت سے آگے بڑھ کر بولا ''اے عزت مآب! آپ کا پرنور سراپا فاضلِ اجل، عالمِ بے بدل حضرت مولانا مرحوم و مغفور صدر نشین جامعہ جملہ علوم و فنون جیسا ہے''۔

بستی کے دسویں شخص نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اور یوں گویا ہوا۔ اے واجب الاحترام! تیری زیارت سے دلوں میں یقین تازہ ہوا کہ صلۂ شہید تب و تابِ جاودانہ ہے۔ تجھے رو برو پا کر ہم سب اُس کو سامنے دیکھ رہے ہیں جو اس بستی کی سرحد پر برسوں پہلے شہادت پا چکا ہے''۔

پھر بستی کے سب لوگ بزرگ کے اردگرد جمع ہو کر یک زبان ہو کر ملتجی ہوئے۔ ''اے بزرگ! تو ہمیں اپنا اپنا سا لگتا ہے۔ تیرے وجود میں اپنایت کے ہزار پہلو ہیں۔ تو ہمیں بتا کہ ہم اپنی ہی بستی میں اجنبی کیوں ہوئے۔ ہم پر خود ہمارے اپنے گھر کیوں تنگ ہوئے؟''

تب اس بزرگ نے بستی والوں سے کہا۔ ''اے اہلِ بستی! اس سے پہلے کہ آنے والی شبِ عذاب کی ظلمت تمہارے دلوں کو گھیر لے تم اس کتاب سے رجوع کرو، جس میں ظلمت سے نجات کے اسرار و رموز لکھے

ہیں۔ یہ کتاب بستی کے ہر گھر میں موجود ہے''۔

یہ سن کر بستی کے لوگ ایک ساتھ بولے۔''اے بزرگ! وہ کتاب بے شک ہمارے گھروں میں ہے لیکن کہاں پڑی ہے۔ یہ ہم بھول چکے ہیں''۔

بزرگ نے یہ سنا تو کہا۔''اے لوگو! تمارے گھر میں چراغ ہیں۔ چراغ جلا کر تلاش کرو۔ کتاب مل جائے گی''۔

اہل بستی نے جواب دیا۔''اے صاحبِ حکمت و دانش! ہم اندھیروں کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہم چراغ روشن کرنے کا ہنر گنوا بیٹھے ہیں۔''اسرار و رموز'' کی وہ کتاب جس زبان میں لکھی گئی ہے وہ اب ہماری زبان نہیں رہی''۔

بزرگ نے بستی والوں کا یہ حال سنا تو دل تھام کر رہ گیا۔ وہ بولا''جس گھر میں کتاب نہ کھلے اور چراغ نہ جلے وہ گھر اپنے مکین پر قبر سے بھی زیادہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اے اہل بستی۔ تم نے میری شکل و شباہت کو یاد رکھا مگر مری امنگوں اور آرزووں کو، مری امیدوں اور جستجوؤں کو بھلا دیا۔ تم نے چراغ سے رشتہ توڑ لیا، کتاب سے کنارا کر لیا۔ افسوس تم نے خود اپنے آپ کو معرکۂ وجود میں بے سہارا کر لیا''۔

اہل بستی لرز اٹھے۔ گڑ گڑا کر ملتمس ہوئے''اے بزرگ مہربان! ہمیں نجات کا راستہ دکھا کر جانا''

بزرگ نے کہا''اے اہل بستی! پڑھو اپنے رب کے نام سے جو ہر آن نئی شان دکھا رہا ہے۔ پڑھو کہ تمہارا رب نہایت جود و سخا کرنے والا ہے۔ وہ قلم سے علوم و فنون سکھا کر ظلمت سے نکالتا اور روشنی میں لے آتا ہے''۔

ریل گاڑی اپنی رفتار کم کرتے کرتے کراچی کے کینٹ ریلوے سٹیشن پر رک گئی۔ پہلے، دوسرے اور تیسرے بستر پر محقق، نقاد اور مصوّر جاگ اٹھے۔ انہوں نے چوتھے بستر پر ایک ساتھ دیکھا۔ وہاں پر ''گیبرئیل زوگ'' کے اوراق پھڑ پھڑا رہے تھے۔ روشنی پھیلا رہے تھے۔

۷/اپریل ۲۰۰۴ء کی صبح شیرے ٹن ہوٹل کراچی سے ایک کوسٹر پر سوار ہو کر ٹھٹھہ کے لیے روانہ ہونے والے قافلے میں چیدہ چیدہ افراد کے اسمائے گرامی یوں ہیں: مادام ڈاکٹر ناصرہ جاوید اقبال، مسٹر ہلمٹ ہول نائز (جرمن قونصل)۔ مسٹر غلام ربانی آگرو، ڈائریکٹر جنرل سندھی ادبی بورڈ۔ پرنس نواب محسن علی خان (لندن)، مصوّرِ اقبال اسلم کمال۔ سکالر جناب ابراہیم جویو، جناب اکرام چغتائی، جناب طالب محبوب اور محمد سہیل عمر، ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان۔

ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو میں مادام ناصرہ جاوید اقبال اپنے ساتھ والی خالی نشست پر کسی سے مسلسل ہمکلام دکھائی دیتی رہیں۔ اگر چہ اپنے اپنے انداز میں اس قافلے میں سارے افراد کا مرکزِ گفتگو بھی وہی ہستی تھی جو مادام ناصرہ جاوید اقبال کے ساتھ خالی نشست پر بظاہر نظر نہیں آ رہی تھی۔

مکلی قبرستان شروع ہو گیا۔ یہاں کیوریٹر کے دفتر میں تمام اہل قافلہ نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر کوسٹر اپنے مسافروں کو مکلی قبرستان میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کے لیے مخصوص احاطہ میں لے گئی۔ یہاں پر

پیر حسام الدین راشدی کی قبر سے ہٹ کر پیچھے دیوار کے قریب ایک لوح نصب ہے اور اس پر گہرے سبز رنگ کی ویلوٹ کا پردہ پڑا ہے۔

ڈائریکٹر اقبال اکادمی جناب سہیل عمر نے اس لوح مزار اور اس کی آج کی تقریب کی غرض و غایت کے بارے میں ایک مختصر تعارف پیش کیا۔ پاکستان میں جرمنی کے کونصل جنرل نے اپنی حکومت اور عوام کی طرف سے اس ہستی کی شاندار خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

مادام ڈاکٹر ناصرہ جاوید نے ''ساقی نامہ'' کا یہ بند پڑھا۔ان کی آواز موت کی اس راجدھانی میں زندگی کا ترانہ بن گئی:

ہُوا خیمہ زن کاروانِ بہار   ارم بن گیا دامنِ کُہسار
گل و نرگس و سوسن و نسترن   شہید ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں   لہو کی ہے گردش رگِ سنگ میں
فضا نیلی نیلی ہوا میں سرور   ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور
وہ جوئے کُہستاں اُچکتی ہوئی   اٹکتی لچکتی ، سرکتی ہوئی
اُچھلتی پھسلتی ، سنبھلتی ہوئی   بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رُکے جب توسِل چیر دیتی ہے یہ   پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقیِ لالہ فام!   سناتی ہے یہ زندگی کا پیام
پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز   کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز
وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات   وہ مے جس میں ہے مستیِ کائنات
وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل   وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

مصوّر اسلم کمال نے مسجدِ قرطبہ کا یہ بند تحت اللفظ پڑھا:

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہِ حرم ، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبّیل، اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نُورِ حیات ، عشق سے نارِ حیات

مصوّر اسلم کمال نے ''مسجد قرطبہ'' کے اس بند کا ڈاکٹر این ماری شمل کا انگریزی ترجمہ پڑھا:

"Love is Gabriel's heart. Love is Muhammad's strong breath.
Love is the envoy of God. Love is the clear word of God.
Even the clay figures see, touched by love's ecstasy glow.
Love is the new pressed wine. Love is the goblet of kings.
Love that is Makkah's jurist. Love the commander of hosts.
Love is the son of the road, thousands of places are his.
Love is the plectrum that plays tunes on the taut strings of life.
Love is life's radiant light. Love is the fire of life."

غلام ربانی آگرو نے ڈاکٹر این میری شمل کا شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ایک نظم کا انگریزی ترجمہ سنایا:

سا

Warm preparations are again in
progress everywhere
Again lightnings have begun to leap
with arduous flare.
Some towards lstanbul do dive some
to the West repair:
Some over China glitter, some of
Samarqand take care;
Some wander to Byzantium, Kabul
some to Kandhar fare;
Some lie on Delhi; the Deccan; some
reach Girnar, thundering there
And green on bikaner pour those that
jump from Jaisalmer
Some Bhuj have soaked. others
descend on Dhar with gentle air
Those crossing Umarkhot have made
the fields fertile and fair.
O God, may ever you on Sindh
bestow abundance rare;
Beloved! all the world let share Thy
grace, and fruitful be

Sur Sarang IV:II tr. Elsa Kazi

اکرام چغتائی نے ڈاکٹر این میری شمل کا کلام مولانا روم کا ترجمہ پڑھ کر سنایا:

LOOK! THIS IS LOVE-- to fly toward the heavens,
To tear a hundred veiIs in ev'ry wink,
To tear a hundred veils at the begining,
To travel in the end without a foot,
And to regard this world as something hidden

And not to see with one's own seeing eye!
I said: "O heart, may it for you be blessed
To enter in the circle of the lovers,
To look from far beyond the range of eyesight,
To wander in the corners of the bosom!
O soul. from where has come to you this new breath?
O heart, from where has come this heavy throbbing?
O bird, speak now the language of the birds
Because I know to understand your secret!"
The soul replied: "Know, I was in God's workshop
While He still baked the 'house of clay and water."
I fled from yonder workshop at a moment
Before the workshop was made and created.
I could resist no more. The dragged me hither
And they began to shape me like a ball!"

محمد سہیل عمر نے سینٹ فرانسیس کے ارشادات پڑھ کر سنائے:

Lord, make us instruments of thy peace;
where there is hatred, let us sow love;
where there is injury, pardon;
where there is discord, union;
where there is doubt, faith;
where there is despair, hope;
where there is darkness, light;
where there is sadness, joy.
Grant that we may seek
not so much to be consoled as to console;
not so much to be understood as to understand;
not so much to be loved as to love.
For it is in giving that we receive,
it is in pardoning that we are pardoned,
it is in dying that we are born again to life eternal.

جرمن کونسل جنرل نے بائیبل مقدس سے مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر سنائیں۔

Let not your heart be troubled: ye believe in God, believe also in me. In my father's house are many mansions: if it were not so would I have told you that I go to prepare a place for you?

The Bible John 14:2

بیگم ناصرہ جاوید اقبال اور جرمن کونصل جنرل نے آگے بڑھ کر ۲ فٹ × ۳ فٹ سنگ مرمر کی لوح کی ڈوری کھینچ کر نقاب کشائی کی جو گہرے سبز رنگ کی ویلوٹ سے مستور تھی۔ لوح کی پیشانی پر درمیان میں "**بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم**" لکھا ہے۔ اس کے نیچے تین سطروں میں "پروفیسر ڈاکٹر این میری شمل" لکھا ہے اس کے نیچے اس کی خواش کہ اسے مکلی قبرستان میں سپردِ خاک کیا جائے رقم ہے۔

لوح کے عموداً درمیان میں یہ آیۂ قرآنیہ رقم ہے۔ "اللّٰہ نُور السمٰوٰتِ وَالارض"

عین اس کے نیچے یہ حدیث مبارکہ رقم ہے۔ "اللّٰہُ جمیلٌ و یُحِبُّ الجَمال"

اس کے نیچے ڈاکٹر این میری شمل کی تاریخ پیدائش و وفات اوپر انگریزی میں اور نیچے سندھی میں لکھی ہے۔ اس کے نیچے شاہ عبداللطیف بھٹائی کا ایک شعر سندھی زبان میں اور اس کے ساتھ اس کا ڈاکٹر شمل کا انگریزی ترجمہ رقم ہے جس کا مفہوم "ایک محل: جس کے ہزار دروازے، کئی ہزار روزن ہوں، میں اس میں رہوں اور جس دروازے یا روزن میں بھی دیکھوں مجھے میرا محبوب نظر آئے گا۔ اس لوح پر سب نے گلاب کی پتیاں نچھاور کیں۔ پھر سب از خود ایک ساتھ مودب اور ساکت ہو کر ڈاکٹر این میری شمل کے سوگ میں چند لمحوں کی ماتمی خاموشی میں اتر گئے۔

جرمنی کے شہر بون میں این میری شمل نے آخری الفاظ "مجھے جانے دو" (Let me go) کہے اور اس عالمِ آب و خاک سے روانہ ہو گئی۔ اور مخصوص حالات کے تحت ان کو وہیں ایک چرچ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ مادام ڈاکٹر ناصرہ جاوید اقبال کی تحریک پر، جنہیں ڈاکٹر شمل کی میزبانی کا لاہور میں سب سے زیادہ موقع ملتا رہا، وزارت اقلیتی امور ثقافت کھیل سیاحت اور امورِ نوجواناں حکومت پاکستان نے پاکستان کی اس بے مثال دوست، علامہ اقبال کی زبردست مفسرہ کی خواہش کو ایک علامتی شکل دینے کے لیے اس تقریب کا انعقاد کیا۔ مزار جرمنی میں لوحِ مزار پاکستان میں!

سندھ کے قدیم زمانے کے دارالخلافہ ٹھٹھہ شہر کو پیر حسام الدین راشدی مرحوم نے اپنی تاریخ ٹھٹھہ میں تہذیب و ثقافت کے باب میں اور فروغِ علم و فضل کے حوالے سے قدیم بغداد کا مثل اور ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر شمل کو پورے پاکستان سے محبت اور سندھ کے کلچر سے خاص دلچسپی تھی اور انہوں نے اس پر بہت عالمانہ کام کیا۔ پیر حسام الدین راشدی نے ان کے لیے اس ضمن میں سہولتوں کا اہتمام کیا اور اس بنا پر انہیں پیر مرحوم سے عقیدت تھی۔ مکلی قبرستان اپنی قدامت اور انفرادیت کے باعث ایک ابدی آرام گاہ کے طور پر ڈاکٹر شمل کا دامنِ دل کھینچتا تھا۔ اس کشش میں انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اس قبرستان کے احاطہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی میں پیر مرحوم کے پہلو میں ایک قبر اپنے لیے محفوظ کروالی تھی۔

ڈاکٹر شمل کا جسدِ خاکی بون میں دفن ہے۔ روح جسم میں رہتی ہے جسم میں قید نہیں ہوتی۔ مکلی قبرستان میں شمل کی روح کی لوحِ علامت کی تقریب میں لندن سے، جرمنی سے، حیدرآباد دکن، بھارت سے اور اسلام آباد، لاہور، کراچی، حیدرآباد اور ٹھٹھہ سے جو لوگ اس وقت اس قبرستان میں ہیں، وہ لوگ اس وقت اپنے دائیں بائیں اور آگے قبروں میں سے احتیاط اور ادب سے راستہ بنا رہے ہیں۔ وہ بظاہر اس قبرستان میں آہستہ خرام ہیں بباطن وہ ایسے زمانوں میں محوِ خرام ہیں جو عصرِ رواں کے ماسوا ہیں۔ وہ عشق کی تقویم میں ہیں لیکن ان کا کوئی نام نہیں ہے۔ قُرب و جوار اور دُور دراز سے آئے ہوئے ڈاکٹر شمل کے دوست اپنی اپنی یادوں میں اس سے محو گفتگو ہیں۔ بیگم ناصرہ جاوید اقبال کے پہلو میں خالی نشست پر شمل بیٹھی ان سے اپنے بہت دھیمے لہجے میں پوچھ رہی ہیں۔ ولید کی دلہن کیسی ہے۔ منیب کی وکالت کیسی چل رہی

ہے اور ڈاکٹر جاوید اقبال کی اب صحت کیسی ہے؟

غلام ربانی آگرو اپنے ماضی میں گم ہے۔ آواز آتی ہے اور یہ آواز ڈاکٹر شمل کی ہے۔ آگرو صاحب ذرا ادھر آئیں۔ یہ دیکھیں یہ خالص سونے کی پلیٹ ہے۔ یہ مجھے بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے دی ہے۔ آگرو صاحب بتائیں! اس طرح کسی پلیٹ سے وہ محبت جو پاکستان سے مجھے ہے، بھلا ناپی جاسکتی ہے؟

سندھی زبان کے عالمِ ابراہیم جویو، چُپ چاپ یوں ہمہ تن گوش بیٹھے ہیں جیسے کوئی آواز بہت دور سے آتی ہوئی وہ سننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پیر حسام الدین راشدی کے پوتے سے ڈاکٹر شمل کہہ رہی ہیں۔ ''اپنے والد سے کہنا کہ میں اپنی آنکھوں سے پیر صاحب کی قبر پر وہی پرانی چادر دیکھ کر آ رہی ہوں۔ اب تو وہ پھٹ ہی چکی ہے''۔ ''دادی آپ جمع خاطر رکھیے میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گا''۔ پیر حسام الدین راشدی مرحوم کا پوتا کہہ رہا ہے۔

یہ بون ریلوے سٹیشن ہے۔ اس کے پاس مشہورِ عالم موسیقار، بیتھاون کا محلّہ ہے جس میں اب اس کا گھر (ہاؤس میوزیم) بن چکا ہے۔ کرسمس کی تقریبات زوروں پر ہیں یہاں مرد و زن کا ایک ہجوم ہے جو مسٹر گشت کر رہا ہے۔ بلیو وائن اور ریڈ وائن کی سبیلیں لگی ہیں۔ بوڑھی مستشرقہ پاکستانی مصور کو بتا رہی ہے۔ یہ دیکھو یہ بیتھاون کا مجسمہ ہے اس میں اس کی مشہور زمانہ سمفنیوں کے نوٹس محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور بون شہر کا مرکزی قبرستان ہے، جہاں بیتھاون کی ماں دفن ہے۔ لیکن اس کی اپنی قبر یہاں نہیں ہے اس نے اپنی محبوبہ کی قبر کے ساتھ دفن ہونا پسند کیا تھا۔

مکلی قبرستان جہاں ڈاکٹر شمل نے دفن ہونا پسند کیا تھا۔ اس کی علامتی لوحِ مزار کی نقاب کشائی کے بعد اس کے دوستوں کا قافلہ کینجھر جھیل کے کنارے ایک ریسٹورنٹ میں تازہ دم ہو رہا ہے۔ یہ جھیل، کہتے ہیں پچاس مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے اور اس حوالے سے یہ دنیا کی سب سے بڑی قدرتی جھیل ہونے کا اعزاز رکھتی ہے۔ جس میں ہم ایک لانچ میں محوِ سیر ہیں۔ مادام ڈاکٹر ناصرہ جاوید کے ساتھ نشست پہ اب تک کوئی یاد بیٹھی ہوئی ہے۔ اس سے آگے کی نشست پر غلام ربانی آگرو اور ان کے ساتھ ابراہیم جویو ہیں۔ اکرام چغتائی مقابل کی نشست پر سہیل عمر کے ساتھ ہیں۔ جرمن قونصل جنرل اور اسلم کمال ملحقہ نشستوں پر ہیں۔ سندھی دانشور طالب محبوب کا کہنا ہے کہ اس جھیل کے درمیان ایک مچھیرے کی بیٹی نوری کی قبر ہے جس پر وقت کا بادشاہ فریفتہ ہو گیا تھا۔

''ضیاء الحق کے دور میں جب ڈاکٹر شمل پاکستان آئی تو خاص پروٹوکول دیا گیا تھا'' غلام ربانی آگرو نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر شمل کی شمالی علاقہ جات دیکھنے کی شدید خواہش کے احترام میں ان کے لیے ایک ہیلی کاپٹر کا انتظام کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر شمل جھیل سیف الملوک کے حسن و جمال اور کیف و سرور میں دیر تک دوسری دنیاؤں کی سیر میں مگن رہی تھیں۔

۱۹۸۶ء میں پروفیسر ڈاکٹر شمل کی مشرف با اسلام ہونے اور اسلامی نام جمیلہ اختیار کرنے کی خبریں

میں نے اپنی یورپ کی سیاحت کے دوران اخبارات میں پڑھی تھیں۔ ڈاکٹرشمل سے ملاقات ہوئی تو اس ملاقات میں انھوں نے ان خبروں کی نہ تصدیق کی اورانہیں افواہیں قرار دیا۔شمالی علاقہ جات کی سیر پر بہت خوش تھیں۔ان کا کہنا تھا کہ وہ جب ہیلی کاپٹر کے ذریعےجھیل سیف الملوک پر اتریں تو انہیں یوں لگا جیسے وہ پری بدیع الجمال ہیں جو اس جھیل میں چاندرات کو اترا کرتی تھی۔

لانچ آہستہ سے کنارے پر آ لگی۔ لانچ سے باری باری ساحل پر اترتے ہوئے ہر ایک نے شاید یہی محسوس کیا تھا کہ پری بدیع الجمال ہم سب سے نظر بچا کر آسمانوں کو پرواز کر گئی ہے۔ ہمیشہ کے لیے۔